نگارشاتِ سید العلماءؒ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

(۱) اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

یہ حضرتِ احدیت کا ارشاد ہے اپنے حبیبِ خاص سردارِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے ''یقینا تم ایک بڑے خلق کے درجہ پر ہو۔''

یہ سند خالق کی طرف سے پیغمبر کے کمالِ اخلاق کی اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ پیغمبر وہ تھا جو نوعِ انسانی کی تکمیل کیلئے سب سے آخری نمونہ تھا۔ یعنی جتنی جتنی بشریت کی ترقی ہوتی رہی اتنی اتنی کامل مثال پیش کی جاتی رہی۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی تعلیمی مثالوں کے بعد جب آپ ہمارے پیغمبرؐ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا تو ضروری ہے کہ آپ کمالِ انسانی کا بہترین مجسمہ ہوں، ورنہ قدرت کا انتخاب غلط ہوگا، مقصد تعلیم حاصل نہ ہوگا۔

ناقص نمونے سامنے آکر خلق کی نگاہ میں پستی پیدا ہوگی جس سے خالق کے کمالِ ذات پر دھبہ آئے گا، اس لئے ضرورت ہوئی کہ آخری معلم اور رہبر ایسا ہی ہو جو کمالِ انسانی کی آخری منزل پر ہوتا کہ اس کو دیکھ کر عالمِ امکان کے افراد ہر اس نقطہ پر پہنچ سکیں جس تک امکان کے ظرف میں صلاحیت ہے اور جہاں تک پہنچانا اس کائنات کے خالق کو مدِ نظر ہو سکتا ہے۔

اس لئے جہاں قرآن نے آپ کے آخری معلم ہونے کا پیغام سنایا، ان الفاظ میں کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (سورہ احزاب آیت نمبر ۴۰) اسی کے ساتھ آپ کے کمالِ اخلاق کی گواہی دی ان الفاظ میں کہ: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ (سورۂ قلم آیت ۴) تم بڑے خلق کے درجہ پر فائز ہو۔

یہ ایسی سند ہے جس سے بڑھ کر کوئی سند نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ الفاظ کی قدر و قیمت متکلم کے اختلاف سے بدل جاتی ہے۔ کوئی چھوٹا شخص اگر کسی چیز کو عظیم کہہ دے تو یہ اس کی حقیقی عظمت کی دلیل نہیں، کیونکہ یہ خود چھوٹا، اس کی نگاہ چھوٹی، اس کا پیمانۂ غور و فکر چھوٹا، کوتاہ نظر، اطلاع محدود، حوصلہ تنگ، اس لئے ہر ذرا سی بڑی چیز کو بھی یہ بڑا سمجھتا اور کہہ دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بڑا کسی شے کو بڑا کہے تو معلوم ہوگا کہ یہ واقعی کوئی بڑی چیز ہے۔ عالم تصور و خیال میں خالق سے بزرگ و برتر کوئی ہستی نہیں، پھر وہ خداوندِ عظیم اگر کسی شے کو عظیم کہہ دے تو ماننا پڑے گا کہ اس جنس کی تمام چیزوں میں اس سے بڑھ کر عظیم کوئی نہیں۔

اب آپ کو اندازہ ہوا کہ رسولؐ کے خلق کو جو وہ تاکید و تحقیق کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ یقینا ضرور بالضرور یہ خلقِ عظیم ہے تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نوعِ بشر میں از آدم تا اختتامِ عالم کوئی ایسا نہیں ہوا جو ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مثل خلق رکھتا ہو۔

خلق کے معنی سمجھنے میں ہمارے اردو محاورہ کی بنا پر ذرا دھوکہ ہوتا ہے۔

ہم جب خلق کا لفظ سنتے ہیں تو ہمارا ذہن منتقل ہوتا ہے اس مفہوم کی طرف کہ انسان کا برتاؤ دوسروں کے ساتھ بہت خاکسارانہ ہو، وہ ہر ایک سے جھک کر ملے اور تواضع سے پیش

آئے مگر عربی زبان کے محاورہ میں خلق کے معنی اتنے ہی نہیں ہیں۔اس کا مفہوم بہت زیادہ وسیع ہے،انسانی اوصاف دوطرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اس کے ارادہ واختیار سے متعلق نہیں ہیں۔ جیسے خط وخال، شکل وشمائل، رنگ روپ، قدو قامت، ذہانت، ذکاوت وغیرہ۔ یہ صفتیں جو قدرتی کسی میں پائی جاتی ہیں ان کو کہتے ہیں خلق۔ دوسری وہ صفتیں ہوتی ہیں جن کے ماتحت ارادی افعال انجام پاتے ہیں۔ جیسے سچائی، امانتداری، فیاضی وغیرہ، اس طرح کے اوصاف کو خلق کہتے ہیں۔خواہ وہ انفرادی زندگی سے متعلق ہوں، خواہ اجتماعی زندگی سے۔ اب آپ نے خیال کیا کہ رسولؐ کو جو خلق عظیم پر فائز کہا گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کے علمی کمال کی تصدیق کی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی اخلاقی بلندی ایک ایسے نقطہ پر تھی جہاں دوست دشمن کی گردنیں خم تھیں۔ بچپنے سے آپؐ کی سچائی اور امانتداری کا یہ حال تھا کہ مشرکین قریش نے آپؐ کا نام رکھ لیا تھا صادق اور امین اور آپؐ کو ان دونوں لقبوں کے ساتھ ملقب کر کے گویا آپؐ کی رسالت کا پیشگی کلمہ پڑھ لیا تھا۔ کیونکہ صادق جو ہے اس کا دعویٰ جھوٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ اور جو امین ہو وہ پیغام پہنچانے میں خیانت کب کرسکتا ہے؟ آپؐ کو صادق اور امین ماننا اس امر کا اقرار تھا کہ جو دعویٰ آپ کریں وہ صحیح ہے اور جو پیغام آپ پہنچائیں وہ درست ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ذاتی اغراض سرِ تسلیم خم کرنے سے سدِ راہ ہوں۔لیکن دل کا یقین کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسی لئے قرآن نے صاف کہہ دیا کہ جَحَدُوا بِهَا اسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ۔ (سورۂ نمل آیت ۱۴ر) انھوں نے صاف زبان سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ دلوں کو ان کے یقین ہے وہی کہ جو آپؐ کے خلاف سرتوڑ کوشش کرتے تھے اور آپؐ کی صدا کے خاموش کرنے بلکہ آپؐ کی ہستی کو فنا کرنے کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے، وہی دل سے یقین رکھتے تھے کہ یہ سچے خدا کے رسولؐ ہیں اور آپ کی امانتداری پر ایمان اتنا مستحکم تھا کہ وہی لوگ جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور دشمن تھے ان کی بھی امانتیں آپؐ کے پاس موجود تھیں۔اس وقت تک کہ جب تک آپؐ نے مکہ معظّمہ سے ہجرت فرمائی ہے اور یہ مشرکین قریش کی امانتیں ہی تھیں، جن کی خاطر آپ نے اپنے ابنِ عم حضرت علی مرتضیٰؑ کو اپنی جگہ پر مکہ میں چھوڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک مشرکین کی امانتیں واپس نہ کرلینا میرے پاس نہ آنا۔ علیؑ نے جب امانتیں واپس کرلیں تب مدینہ تشریف لے گئے۔

یہ آپ کے اخلاق کی مقناطیسی کشش ہی تھی جو دلوں کو آپ کی طرف جذب کرتی تھی۔ایک طرف مروت، تواضع، حلم تحمل، عفو، کرم، سخاوت یہ صفتیں آپؐ پر ختم تھیں۔ دوسری طرف استقلال، ثبات قدم، جفاکشی اور قوتِ قلب میں آپؐ کا نظیر نہ تھا۔

حقوق اللہ ایک طرف ادا ہو رہے تھے اور حقوق الناس دوسری جانب۔ خدا کی عبادت اس طرح کی کہ پاؤں پر ورم آگیا۔ آخر آیت اتری طٰهٰ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ۔(سورۂ طٰہٰ، آیت ۱و۲ر) ''اے طیب وطاہر! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ تم اس قدر تکلیف برداشت کرو۔''

دوسروں کے ساتھ برتاؤ کا یہ عالم کہ جس سے ملاقات ہوتی تھی حضرتؐ خود سلام میں ابتدا فرماتے تھے۔ کشادہ پیشانی اور بشاشت سے گفتگو فرماتے، راستہ چلنے میں پسِ پشت سے اگر کوئی آواز دیتا تو آپ صرف چہرہ موڑ کر اس کی طرف دیکھ لینا اخلاق کے خلاف سمجھتے بلکہ پورے قد سے اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ آج ہم میں کوئی بڑا آدمی ہوجاتا ہے تو منہ دیکھ کر بات نہیں کرتا۔ ابتدا بہ اسلام کا کیا ذکر، جواب سلام میں بھی تکلف ہوتا ہے مگر رسولؐ کی اپنی عظمت کے ساتھ یہ حالت تھی۔

حضرتؐ کی مساوات پسندی کا یہ عالم تھا کہ مرض الموت میں منبر پر تشریف لئے گئے اور فرمایا اگر میرے ہاتھ سے کسی کو ایذا پہنچی ہو تو وہ ابھی مجھ سے بدلہ لے لے۔سوادہ بن قیس مجمع میں سے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ ایک روز آپؐ ناقہ پر

سوار تشریف لئے جا رہے تھے آپ کے ہاتھ میں تازیانہ تھا، میں ناقہ کے قریب سے ہوکر گذرا، اس حالت میں کہ آپؐ ناقہ کو تازیانہ لگا رہے تھے، وہ تازیانہ مجھ پر پڑ گیا اور مجھ کو اس سے تکلیف ہوئی میں اس کا قصاص چاہتا ہوں۔ حضرت نے بلالؓ سے فرمایا کہ جا کر ہمارا تازیانہ ممشوق لے آؤ۔ بلالؓ گئے اصحابؓ میں بے چینی پیدا ہوگئی کہ اس بیماری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس تکلیف کو کیسے برداشت کریں گے۔ سب سمجھا رہے ہیں مگر سوادہ کسی طرح رضا مند نہیں ہوتا۔ آخر تازیانہ آیا۔ رسول صلعم نے اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ فرمایا کہ بھائی قصاص لے لے۔ سوادہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب آپ نے میرے جسم پر تازیانہ لگایا تھا تو اس وقت میرے جسم پر پیراہن نہ تھا۔ آپ نے برہنہ جسم پر تازیانہ لگایا تھا۔ یہ سننا تھا کہ حضرتؐ نے پشت مبارک سے لباس کو ہٹا دیا۔ جسم مبارک کا کھلنا تھا کہ سوادہ نے بڑھ کر مہرِ نبوت کو بوسہ دیا۔ کہا، کیا مجال میری جو اس جسم سے تازیانہ مس کروں۔

اچھا ہوا کہ سوادہ نے پہلے اپنے قصاص سے درگذر نہ کیا، دنیا کو معلوم تو ہو گیا کہ ہمارا پیغمبرِ عمل کے کس نقطہ پر ہے۔ وہ جو کہتا ہے اسے عمل کی آخری حد تک پہنچا دیتا ہے۔

سوادہ کی نگاہ میں رسولؐ کے جسم کی عزت تھی۔ اس نے پشت مبارک کی زیارت کے بعد یہ جرأت نہ کی کہ وہ تازیانہ کو مس کرے۔ ہائے افسوس کربلا والوں کو کون سمجھائے کہ حسین علیہ السلام کا جسم مبارک جس پر تلواریں اور نیزے پڑ رہے ہیں درحقیقت رسولؐ کا پیارا جسم ہے۔ مگر افسوس امتِ رسولؐ نے اس جسم کی کوئی عزت نہ کی۔ تلواروں سے ٹکڑے کر ڈالا۔

[ماخوذ از پیام عمل، امامیہ مشن لاہور، پاکستان، اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۴]

(۲) حکومت الٰہیہ کا سربراہ

اور نام نہاد حکومت اسلامیہ کا تاجدار

جمہور مسلمین نے شروع سے حکومت کا رشتہ اللہ العالمین سے جدا کر کے اپنے ہاتھ میں لیا، اس لئے ان میں ''حکومت الٰہیہ'' کا تو تصور پیدا ہی نہ ہونا چاہئے تھا مگر اس دور میں بعض مصلحین ''حکومت الٰہیہ'' کا نام لے رہے ہیں۔ پھر بھی ان کا معیار تخیل آج تیرہ سو برس کے بعد اتنا اونچا نہیں جا سکتا کہ وہ اپنے دیرینہ روایات کو ٹھکرا کر حکومت الٰہیہ کا کوئی ایسا تصور کر سکیں جو اس کے پہلے ان کے دماغ میں کبھی جگہ حاصل نہیں کر سکا۔

ان لوگوں کے خیال کے مطابق حکومت الٰہیہ کی تشکیل کیوں کر ہوگی؟ اس طرح کہ مسلمانوں کے انتخاب سے ان کی حکومت کے ارکان مقرر ہوں۔ مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب پر اصرار اسی لئے تھا کہ اس صورت میں جو مسلمان مجالس قانون ساز میں جائیں گے وہ دوسری جماعتوں کے خوش رکھنے پر مجبور نہ ہوں گے، بلکہ ہر معاملہ میں اسلامی مفاد کو ملحوظ رکھیں گے۔ مگر ان کے انتخاب کا طریقہ کیا ہوگا؟ وہی رائے شماری یعنی اجماع، یا کسی سلیکٹ کمیٹی کا انتخاب یعنی شوریٰ۔ یہ وہی طریقہ کار ہیں جو پہلے آزمائے جا چکے۔ یہ اور ان کے ساتھ دو اور طریقے استخلاف یعنی نامزدگی اور قہر و غلبہ انہی کو مسلمانوں کے بڑے بڑے دماغوں نے تقریباً پچاس برس کے الٹوں پلٹوں کے بعد آئین حکومت کی تشکیل کے لئے مقرر کیا ہے۔ اسی معیار پر اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں اور ان پر ایمان لانا اطاعت اولی الامر کے ذیل میں ضروری سمجھا گیا، مگر ان تمام طریقوں کو شکستہ کر دیا۔ ۶۱ھ میں حکومت الٰہیہ کے حقیقی سربراہ حسینؑ بن علیؑ نے جب کہ یزید کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے اور اپنی بے پناہ مظلومیت سے تمام جمہور مسلمین سے تسلیم کرا لیا کہ حسینؑ حق پر تھے اور یزید باطل پر تھا۔ تاریخی مطالعہ کا متفقہ نتیجہ یہ ہے کہ یزید میں وہ تمام طریقے مجتمع تھے جو اس کے پہلے ایک ایک کر کے حصول خلافت کے لئے کافی سمجھے گئے تھے۔

اجماع شوریٰ

کون نہیں جانتا کہ یزید کی بیعت تمام عالم اسلام میں ہر

ہر ملک کے اندر کی جا چکی تھی۔ ہر ہر مرکزی مقام پر کوئی محدود کمیٹی نہیں بلکہ بڑی سے بڑی کانفرنس منعقد کر کے اقرار لیا گیا اور انصاف تو یہ ہے کہ عملی طور پر اتنا بڑا اجماع اس سے پہلے کسی خلافت پر بھی نہ ہوا تھا۔

استخلاف

وہ بھی ظاہر ہے کہ جب امیر معاویہ خلیفہ جائز مانے جا چکے تھے تو ان کا نامزد کر دینا یزید کو سوا استخلاف کے اور کچھ نہیں ہے اور اس لئے اگر کوئی کانفرنس منعقد نہ ہوتی اور بیعت عام بھی نہ لی جاتی تو بھی صرف ان کا مقرر کر دینا کافی تھا۔

قھر و غلبه

اس کا پوچھنا ہی نہیں کہ شام کی قہار شہنشاہی اس وقت روم و فارس کی سلطنتوں کا مذاق اڑا رہی تھی۔

پھر حسینؑ کا یزید کے مقابلہ میں کھڑا ہو جانا کیا ان تمام اصول کی مخالفت نہیں ہے جن کو خلافت کے جواز کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے اقدام سے ثابت کر دیا کہ اجماع، شوریٰ، استخلاف اور قہر و غلبہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اصل چیز حکمراں کی ذاتی اہلیت اور اس کا استحقاق ہے۔ اگر یہ ہے تو حکومت جائز ہے، ورنہ نہیں۔

یزید کے افعال کیا تھے؟ وہ جن سے آج تک تاریخ اسلام کی پیشانی عرق انفعال سے تر ہے۔ تمام مورخین نے اس کی سیرت کی تصویر نہایت تاریک خط و خال میں کھینچی ہے۔ مغربی مورخین میں سے ایڈورڈ براؤن نے 'لٹریری ہسٹری آف پرشیا' ص ۲۲۶ میں لکھا ہے: ''وہ ایک بدویہ ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ صحرا کی کھلی ہوئی ہوا میں اس نے پرورش پائی۔ شکار کا بڑا ماہر و شیفتہ، ایک بلیغ شاعر اور عاشق جانباز، شراب اور دیگر لہو و لعب کی باتوں کا شیدا اور رقص و سرود کا دلدادہ، مذہب سے کوسوں دور تھا۔''

آسبرن نے لکھا ہے کہ تخت نشین ہونے سے قبل ہی یزید نے مومنین کی بڑی تذلیل کی تھی، وہ علانیہ شراب پیتا تھا، کتوں کا بہت شوق رکھتا تھا اور اسی طرح باز اور دوسرے اس طرح کے جانوروں کا بڑا شوقین تھا۔

اروِنگ نے لکھا ہے کہ ''خوبیوں کے اعتبار سے وہ بہت ناقص تھا۔ اس میں شعریت کا خداداد مادہ موجود تھا۔ شام کے عیش و نعم میں رہنے کا اثر اس کے ریشمی لباس اور رقص و سرود کے اشتیاق سے ظاہر تھا لیکن وہ بہت ذلیل تھا۔ اس لئے کہ اس میں پست خیالی، کمینہ پن اور لالچ موجود تھی۔ وہ انتہائی شہرت پسند اور شراب اور فسق و فجور کا اس حد تک عادی تھا جو انسان کو ذلت کے انتہائی درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔

جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ یزید ظالم اور غدار تھا۔ اس کی خبیث طبیعت رحم و انصاف جانتی ہی نہ تھی۔ اس کی دلچسپیاں ویسی ہی پست تھیں جیسا کہ اس کے ساتھی پست اخلاق اور اوباش تھے۔ وہ مذہبی رہنماؤں کی یوں تذلیل کرتا تھا کہ وہ بندر پکڑ کر اسے علماء و فقہا کا لباس پہنا کر خوبصورت اور سجے ہوئے گدھے پر بٹھا کر جہاں خود جاتا وہاں لے جاتا۔''

علامہ دمیری نے بھی 'لغت فهد' میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے اس کو گھوڑے پر سوار یزید بن معاویہ نے کیا ہے **(حیوٰۃ الحیوان جلد ۲، صفحہ ۱۸۶)** دوسرے مقام پر لکھا ہے۔

''یزید نے ایک بندر کو گھوڑے پر بیٹھنے کی مشق کرائی تھی اور گھوڑ دوڑ میں بڑے بڑے شہسواروں سے مقابلہ کرایا جاتا تھا اور ایک مرتبہ وہ تمام شہسواروں سے سبقت لے گیا۔ یزید نے اس بارے میں شعر کہے جن کا مضمون یہ ہے کہ کوئی میری طرف سے کہہ دے اس بندر سے کہ اے ابوقیس جو ایک گدھی کی پشت پر بیٹھ کر گھوڑوں سے آگے نکل گیا۔ تو جب اس پر سوار ہوا کر تو اس سے لپٹا رہا کر۔ کیونکہ اگر تو گر کر مر گیا تو اس گدھی سے کوئی باز پرس بھی نہ ہو سکے گی۔ **(حیوٰۃ الحیوان جلد ۲ ص ۲۰۱)**

ابن الفوطی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یزید نے اپنے بندر کی کنیت ابوقیس قرار دی اور اپنے ساغر کی بچی ہوئی شراب اسے پلایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک بزرگ ہے

جس نے گناہ کیا تھا اور مسخ ہو گیا۔ وہ اس کو ایک گدھی پر سوار کرتا تھا جو اسی مقصد کے لئے سدھائی گئی تھی اور گھوڑ دوڑ کے میدان میں اسے گھوڑوں کے ساتھ چھوڑ دیتا تھا۔ ایک روز وہ گدھی آگے بڑھ گئی تو یزید بہت خوش ہوا اور یہ شعر پڑھے......

''اے ابوالقیس اس مہار سے لپٹا رہا کر، کیونکہ اگر تو گر پڑا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ اس گدھی نے یہ کارنمایاں کیا ہے کہ وہ تمام گھوڑوں سے آگے بڑھ گئی۔''

یہ تو اس کے لغو افعال تھے۔ اس کے علاوہ شراب خواری اس کی ضرب المثل تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر نے نام ہی اس کا 'سکران' یعنی بدمست رکھ لیا تھا ۔(الاخبار الطوال، ص۲۶۱)

وہ کسی موقع پر مصلحتاً بھی اس عادت کو ترک کرنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جب ولی عہدی کے دور میں معاویہ کے حکم سے وہ مکہ اور مدینہ میں اپنا اثر و رسوخ جمانے کے لئے حج کو گیا تو دینداروں میں پہنچ کر بھی مصاحبوں کے جمگھٹوں میں شراب کا دور ضرور چلا۔ (کامل جلد ۴، ص ۶۳)

واقدی نے عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہم کو یزید کی حکومت میں یہ خوف ہو گیا تھا کہ اب کی آسمان سے ہم پر پتھر برسیں گے۔ وہ ایسا شخص تھا کہ جو اپنی ماؤں اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا۔

(صواعق محرقہ، ص ۱۲۵ مطبوعہ مصر)

اتنا ہی نہیں کہ وہ عملی حیثیت سے ایک لاابالی اور گنہگار شخص ہو بلکہ اس کے خیالات بھی ایسے تھے۔ وہ اپنے افعال پر منفعل نہ ہوتا تھا بلکہ ان پر نازاں تھا۔ اس کا مظاہرہ اس کے دیوان کے ان اشعار سے ہوتا ہے جن میں اس نے احکام شریعت کا مذاق اڑایا بلکہ قرآن و حدیث اور خدا اور رسولؐ کے ساتھ بھی تمسخر کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر دو خط شروع میں اس طرح چلیں کہ ان میں آپس میں ذرا ایک دوسرے سے انحراف ہے تو بالکل ابتدا میں بہت ممکن ہے کہ اکثر نگاہوں کو اس کا احساس نہ ہو کیونکہ فرق کم ہے لیکن جب یہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچے کہ فاصلہ درمیان کا بہت زیادہ ہو جائے تو ہر ایک کو مان لینا پڑے گا کہ بیشک یہ خط دوسرے کے رخ سے بالکل جدا ہے۔

یونہی سمجھئے کہ وہ نظام جو رسولؐ کے بعد حکومت اسلامی کا قرار دیا گیا اور جس کا تعلق اللہ سے سمجھا جاتا تھا شروع میں کم نظروں نے محسوس کیا کہ یہ شریعت اسلام اور اصول حق سے منحرف ہے لیکن وہی خط جب آگے بڑھ کے تیسری منزل پر پہنچا تو انحراف اتنا ہوا کہ مسلمانوں کے اندر کھلی ہوئی بغاوت پیدا ہوئی جو قتل خلیفہ تک منجر ہوئی اور وہی بڑھ کر جب معاویہ تک پہنچا تو انحراف اتنا نمایاں تھا کہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں خود دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جو معاویہ کی تعریف کرتا ہے اور ایک وہ جو نجات میں بھی شک رکھتا ہے، اور کم از کم یہ دور خلافت راشدہ کے حدود سے تو متفقہ طور پر ہی خارج رہا، اور جب وہی نظام بڑھ کر یزید تک آیا تو سب مسلمان اسے متفقہ طور پر غلط سمجھنے لگے اور جمہور کے لئے اب یہ ممکن نہ رہا کہ وہ اس کو صحیح سمجھیں اور اس کی ظاہر بظاہر حمایت کریں۔ کیا اس کے بعد بھی اس میں شبہ رہ جاتا ہے کہ یہ نظام شروع ہی سے غلط تھا؟

حسینؑ نے کربلا میں اپنے زندۂ جاوید کارنامہ سے تمام خود ساختہ خلافت کے اصول کو یک قلم شکست دے دی اور ثابت کر دیا کہ صحیح حکومت اسلامیہ وہی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہو اور وہی ہو گی جو غلطیوں سے بری یعنی معصوم ہو گی۔

(ماخوذ از 'سرفراز' لکھنؤ مارچ ۱۹۷۰ء، محرم نمبر ۱۳۹۰ھ، صفحہ نمبر ۸۹)

(۲) علم خدا کی روشنی میں انسانی اعمال کی درستگی

فلاسفہ نے خدائے تعالیٰ کے علم کو کلیات کے ساتھ محدود قرار دیا ہے، اس لئے کہ جزئیات متغیر ہیں، ان کے علم سے خدائے تعالیٰ کی ذات میں تغیر لازم آئے گا۔ یہ استدلال ان کا غلط ہے۔ معلومات کے تغیر سے علم میں تغیر ضروری نہیں ہے، اس

لئے ذات الٰہی میں تغیر لازم نہیں آتا ہے۔ بہر حال مذہب حق کی تعلیم اس سے جداگانہ ہے۔

مذہب کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کو ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کا علم ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ میں اس کو جس طرح بیان کیا ہے وہ ایک ایسا انداز ہے جو دماغوں میں اس حقیقت کو بالکل جاگزیں کردیتا ہے۔ حقیقت میں تو ایک جملہ ہے اور خدائے تعالیٰ ہر بات سے واقف ہے مگر اس کا دل و دماغ پر وہ اثر نہیں پڑتا جو تجزیہ و تحلیل کے ساتھ معمولی اور انتہائی چھوٹی چیزوں کی تفصیل کے بیان کے ساتھ پڑتا ہے۔ یہاں پر نہج البلاغہ سے حضرت امیر المومنین کی فرمودہ ایک عبارت کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:۔

''وہ ہر پوشیدہ بات کا جاننے والا ہے جیسے تصور کرنے والوں کے قلبی تصورات، سرگوشی کرنے والوں کی رازداریاں، توہمات وخیالات کی گردشیں، مضبوط یقینی عقیدوں کی بندشیں، دزدیدہ نگاہوں کی جنبشیں، دل کے پردوں کے بھید اور غیب کی گہرائیوں کی باتیں، چوری چھپے کان لگا کر سنی جانے والی گفتگوئیں، چیونٹیوں کی گرمی کے زمانے کی قیام گاہ اور چوپایوں کی جاڑے میں رہنے کی جگہیں، غمزدہ عورتوں کی تھرائی ہوئی آواز گریہ کی لرزش، پیروں کی چاپ کی ہلکی آوازیں، کلیوں کے غلاف میں اندرونی حصہ کے اندر میوہ کے پھیلنے کی گنجائش، پہاڑوں کے غاروں اور ولولوں میں وحشی جانوروں کے گوشہ گیر ہونے کی جگہیں، درختوں کی جڑوں اور چھالوں میں مچھر ایسے کمزور مخلوقوں کے چھپنے کے مقام، شاخوں میں پتے کو نکلنے کی راہیں، مردوں کی پشت کے پیچیدہ راستوں میں انسانی نطفوں کی روشیں، پیدا ہونے والے ابر اور ان کی تہ بہ تہ ترکیبیں، ابر کی تہوں میں قطرات باراں کی روانگی، بگولوں کے دامن میں لپٹ جانیوالے ذرے، بارشوں کے سیلاب میں مٹ جانے والے نقشے، ریگ کے تودوں میں روئیدہ گھاس کی ریشہ دوانی، پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں کے اوپر پرند جانوروں کے آشیانے، گھونسلوں کی تاریک فضاؤں میں بولنے والے طائروں کے چہچہے وہ کہ جسے سمیٹ رکھیں سیپیاں اور جس کی پرورش کریں سمندر کی موجیں، وہ کہ جس پر پردہ ڈالے رات اندھیرا اور روشنی ڈالے دن کا آفتاب، ہر قدم کا نشان، ہر چیز کے ہلنے کی سرسراہٹ، ہر کلمہ میں آواز کا اتار چڑھاؤ ہر ہونٹ کی جنبش، ہر متنفس کی جگہ، ہر ذرہ کا وزن، ہر متفکر انسان کی اندرونی کشمکش، ان سب کا علم خدائے تعالیٰ کو ہے۔ جس میں اس کو نہ کچھ زحمت اٹھانا پڑتی ہے اور نہ اپنے خاص ایجاد کردہ مخلوق کے ان حالات کے محفوظ کرنے میں اسے تھکن اور کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ اس حق کے ادا کرنے سے جو اس کے شایان شان ہو قاصر ہیں۔''

خداوندی علم واطلاع کی اس وسعت کے احساس سے انسان کی عملی زندگی پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ گناہ کے لئے انسان کو فطرتاً ایک خواہش اخفا ہوتی ہے۔ انسان معمولی آدمیوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ گناہ کرتے اس کو دیکھ نہ لیں، وہ تذکرہ سن لیتا ہے اپنے جرم کا تو دل دھک سے ہوجاتا ہے۔ اور چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جنہیں احساس گناہ باقی ہو اور گناہ کو فخریہ انداز پر نہ کرتے ہوں خصوصاً ایک انسان اس شخص سے تو بہت زیادہ اخفاء کی کوشش کرتا ہے کہ جس کا مجرم ہو۔ کسی کو ہم برا کہہ رہے ہوں، اور وہ آتا ہوا نظر آجائے فوراً زبان روک لیں گے خاموش ہوجائیں گے۔ اس غرض سے کہ اس کو اطلاع نہ ہو شرط یہ ہے کہ شخص کا کچھ بھی لحاظ عظمت اور عزت نگاہ میں ہو پھر جب معمولی اشخاص کا یہ حال ہے تو اگر کسی کو یقین ہو کہ اس کا مالک حقیقی اس کے اعمال کا حاضر وناظر ہے، ہر وقت وہ اس کے افعال کا نگراں ہے۔ اور اس کی ذرا ذرا سی بات کا اس کو علم ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کسی گناہ کا ارتکاب کرے۔

اس بناء پر قرآن مجید میں علم الٰہی کا تذکرہ اکثر افعال خلق ہی کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ مثلاً

ان اللہ بصیر بما یعملون، ان اللہ بما تعملون

بصیرا، ان اللہ خبیر بما یصلون، ان اللہ علیھم بما تعقلون وغیروغیرہ

اور انسان کی خواہش اخفاء کو دکھلاتے ہوئے ارشاد ہوا ہے

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۔ (سورۂ نساء آیت ۱۰۸ر)

ترجمہ:۔ یہ لوگ آدمیوں سے چھپتے پھرتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ وہ راتوں کو ایسے مشورے کرتے ہیں جو خدا کو ناپسند ہیں اور خدا ان کے اعمال سے پورے طور پر باخبر ہے۔

دنیا کی ہر شے میں مکر، فریب ، خیانت ، دغا بازی ، ایذ ارسانی ، چوری ، قتل وغارت اور بدکاری سب نتیجہ ہے اس کا کہ انسان خدا تعالیٰ کو اپنے دل سے واقعی طور پر حاضر و ناظر نہیں سمجھتا۔

دنیاوالوں کو یہ ذہن نشین ہوجائے کہ خدائے تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔تو دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائے اور ہر قسم کی بداعمالی کا سد باب ہوجائے۔

[ماخوذ از پیام عمل، امامیہ مشن لاہور، پاکستان، نومبر ۱۹۶۱ء ص ۵ر۶ر]

(۳) اسلامی فاتح اعظم کا گراں بہا مقولہ

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ

ایسے واقعات جو سابقین نے بحث وتمحیص کے بعد مسلمہ طور پر درج نہیں کئے ہیں اور گوشۂ گمنامی میں چھوڑ دیئے ہیں، اس کے مستحق ہیں کہ ان کا انکار کیا جاسکے۔لیکن افسوس ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسے حقائق کا انکار بھی ضروری سمجھا جاتا ہے جو متواتر طور پر کتب اخبار وسیر میں درج ہوتے رہے ہیں اور آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔علم حدیث کے امانت دار متقدمین کا احسان ہے موجودہ طبقہ پر کہ انہوں نے اسلامی آثار اور حضرت خاتم النبیینؐ کے مقدس احادیث کی مسانید وصحاح کے دامنوں میں حفاظت کی اور ہمارے ہاتھوں تک یہ گراں قدر جواہر ریزے پہنچا دیئے۔اور ان کی تاب ناک چمک سے ہماری آنکھوں کو بہرہ اندوز ہونے دیا۔

کیا انصاف کا اقتضا یہی ہے کہ ان کی تمام محنتوں پر پانی پھیر کر ان تمام اسلامی اخبار وآثار کا صرف اس بناء پر انکار کردیا جائے کہ وہ کسی نفسانی جذبہ اور غیر مستند خیال کی کمزوری کو طشت از بام کردیتے ہیں۔ اس صورت میں احکام شریعت اور آثار دینیہ کے محو ہوجانے کا اندیشہ ہے۔اس لئے کہ ان احکام وآثار کے راوی و ناقل بھی وہی لوگ تو ہیں جن کے نقل کئے ہوئے احادیث و آثار کا بعض مخصوص مصالح کے تحت میں انکار کیا جارہا ہے۔اور ان کی طرف وضع وافترا، دروغ بافی کی نسبت دی جارہی ہے۔ یقینا قدیم زمانہ کے علماء اور حفاظ موجودہ طبقہ کے اتحاد اسلامی کے نام کی رٹ لگانے والے نام نہاد علماء سے زیادہ روادار اور انصاف پسند تھے۔ دیکھو انہوں نے جو کچھ اخبار و احادیث ان کی نظر میں مستند ثابت ہوئے، ان کو جمع کر کے ہم تک پہنچا دیا۔اگر چہ ان میں سے بعض اخبار ان کے معتقدات اور ذاتی خیالات کو صدمہ پہنچانے کا باعث بھی ہوں۔لیکن ہمارے ہمعصر رہنمایان ملت کا تو یہ طرزعمل ہے کہ ادھر کوئی ایسی روایت نظر آئی جو ان کے مقاصد کے خلاف ہے تو ان کا منجا ہوا جواب یہ ہے کہ روایت موضوع ومخترع ہے۔ناواقف اور بے خبر اشخاص کے لئے ضرور یہ دو لفظیں بہت وزن رکھتی ہیں۔اور ان کا اس طور پر غلط فہمی میں مبتلا ہوجانا ممکن ہے۔لیکن ایک ایسا شخص جو کتب احادیث وسیر کی سیر کر کے صحیح وسقیم اخبار کا جائزہ لے چکا ہو، کسی طرح اس قسم کے بے سروپا توہمات سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔علامہ رشید رضا مصر کے ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے حنفیہ کے پیکر میں وہابیت کا رنگ بھرا ہے۔سعودی مظالم کے ابتدائی دور میں اخبار ''زمیندار'' لاہور کے توسط سے ہندوستان کے اندر وہابی خیالات کی تبلیغ میں موصوف کے لانبے چوڑے مضامین شائع ہوچکے ہیں۔ان کو شیعی جماعت پر طعن وتشنیع میں

خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور رسالہ "منار" جو ممدوح کی زیر ادارت ماہوار مصر سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں ہمیشہ تعصب اور مذہبی چھیڑ چھاڑ کے ساتھ بے انصافی کا کامل مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔

"منار" کی بعض قریبی اشاعتوں میں جن محیر العقول تحقیقات کا اظہار کیا گیا ہے ان میں سے **اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا**۔ اور **اقضاکم علی** اور **لولا علی لهلك عمر** کی وثاقت واعتبار کا انکار ہے۔ میں نے ایک مستقل رسالہ "**نظرات مجاثة فی الاخبار الثلثة**" کے ذریعہ سے اس خیال کا پورے طور پر ابطال کیا ہے۔ اس رسالہ کا آخری حصہ "لولا علی" سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو خلاصہ کی صورت میں اردو کا لباس پہنا کر نذرِ ناظرین کرتا ہوں۔

خلیفۃ المسلمین عمر بن الخطاب کا معنی خیز مقولہ (**لولا علی لهلك عمر**) ان مستند حقائق سے ہے جن کی نقل میں اسلامی کتب تاریخ وحدیث متفق و یک زبان ہیں۔ اور صدر اسلام سے اس وقت تک ہر طبقہ کے اعلام فن اس کو اپنے کتب میں درج کرتے آئے ہیں۔ قصور تتبع اور کتب سے تہی دستی کے باوجود جو کچھ ہماری نظر سے اس فقرہ کے متعلق گذرا ہے۔ وہ بھی شک وشبہ کا قلع قمع کرنے کے لئے کافی ہے۔ انصاف شرط ہے۔

(۱) امام ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ اپنی کتاب (**تأویل مختلف الحدیث فی الرد علی اعداء اهل الحدیث**) مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ، ص ۲۰۱-۲۰۲ میں رقمطراز ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔ "حضرت عمر کی وہ شخصیت تھی کہ قرآن ان کے حکم پر اترتا تھا اور شیطان ان کی بھنک پا کر خوف کھاتا تھا۔ اور حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ ہر امت میں کچھ نہ کچھ محدثین ہوتے ہیں۔ اگر اس امت میں کوئی محدث ہوتو وہ عمر ہے۔ اور یہ ہستی وہ تھی کہ ساریہ کو سینکڑوں فرسخ سے "پہاڑ، پہاڑ" کی آواز دے کر محاذ جنگ کی تعلیم دی۔ باوجود اس سب کے وہ ایک ایسے موقع پر حضرت علیؑ نے ان کو غلطی پر متنبہ کیا تھا۔ فرماتے ہیں۔ "**لولا قول علی لهلك عمر**" اگر علیؑ کا ارشاد نہ ہوتا تو عمر کہیں کا نہ رہتا) اور فرماتے ہیں۔ **اعوذ بالله من کل معضلة لیس لها ابو الحسن**" میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس مشکل سے جس کے (حل) کے لئے ابوالحسن (علی ابن ابی طالب) موجود نہ ہوں۔

۲- **استیعاب فی معرفة الاصحاب**، ابن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ (مطبوعہ حیدرآباد جلد ۳ ص ۴۷۴) **عمر یتعوذ بالله من معضلة لیس لها ابو الحسن وقال فی المجنونة التی امر برجمها والتی فضعت لسنته اشهر قار ادریها فقال له علی ان الله تعالیٰ یقول وحمله وفصاله ثلثون شهرا، الحدیث وقال له ان الله رفع القلم عن المجنون، الحدیث فکان عمر یقول لولا علی لهلك عمر**۔ حضرت عمر پناہ مانگتے تھے اس مشکل سے جس کے واسطے ابوالحسن (علیؑ) موجود نہ ہوں۔ مجنونہ کے واقعہ میں کہ جس کے رجم کا حکم دے دیا تھا اور اس عورت کے مسئلہ میں کہ جس کے یہاں چھ مہینہ میں بچہ پیدا ہوا تھا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ **حمله وفصاله ثلثون شهرا**۔ اور یہ کہ مجنون سے تکلیف ساقط ہے اس بنا پر حضرت عمر کہا کرتے تھے **لولا علی لهلك عمر**۔

۳- **اسد الغابه فی معرفته الصحابة**، ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۲۲

عن سعید بن المسیب قال کان عمر یتعوذ بالله من معضلة لیس لها ابو الحسن

۴- **تهذیب التهذیب**۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ء (طبع حیدرآباد جلد ۷، ۳۳۷) **کان عمر یتعوذ عمر الخ**۔

۵- اصابہ ابن حجر عسقلانی (جلد ۲ ص ۵۰۹ بر حاشیہ استیعاب طبع مصر) **کان عمر یتعوذ الخ**

۶- شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید (طبع مصر جلد ۱ ص ۶) فقہا صحابہ عمر بن الخطاب اور ابن عباس تھے اور دونوں نے علیؑ سے استفادہ کیا۔ ابن عباس کا استفادہ تو وہ ظاہر ہے اور عمر؟ ان

کے متعلق ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اکثر مشکل مسائل میں علیؑ کی طرف رجوع کی ہے۔ اور ایک بار نہیں متعدد بار کہا ہے۔ لولا علی لھلك عمر اور لا بقیت لمعضلة لیس لھا ابو الحسن۔ خدا مجھ کو اس مشکل کے لئے زندہ نہ رکھے کہ جس کے واسطے علیؑ نہ ہوں۔

۷۔ فیض القدیر شرح جامع صغیر، عبدالروف بن تاج العارفین منادی۔ حضرت علیؑ کی اعلمیت کے مخالف و موافق سب گواہ ہیں اور اکابر صحابہ بھی اس کا اعتراف کرتے تھے اور حضرت عمر مشکل مسائل میں آپ سے سوال کیا کرتے تھے اور طریق عدیدہ سے یہ امر درجہ صحت کو پہنچ گیا ہے کہ حضرت عمر پناہ مانگتے تھے اس جماعت سے جس میں علیؑ موجود نہ ہوں۔

۸۔ ذخیرۃ المآل۔ شہاب الدین احمد بن عبدالقادر عجیلی۔ کان عمر رضی اللہ عنه یقول اعوذ باللہ من معضلة لیس منھا ابوالحسن ویقول ان علیا اقضانا ولولا علی لھلك عمر۔

۹۔ مطالب السئول۔ کمال الدین ابن طلحہ شافعی (مطبوعہ ایران، ص ۱۳) بعض موقعوں پر علی بن ابی طالبؑ نے تلف ہوتی ہوئی جان کی حفاظت کی اور اس طرح مسئلہ کو حل کیا کہ طرف مقابل کو آپ کی علمیت کا اعتراف کرتے ہی بن پڑی۔ چنانچہ حضرت عمر کے پاس جبکہ وہ امیر المومنین تھے (یعنی جبکہ وہ منصب خلافت پر متمکن ہو چکے تھے) ایک زنا کار عورت لائی گی جو کہ حاملہ تھی۔ انہوں نے چھوٹتے ہی اس کے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم کو اس کے پیٹ کے بچہ کی جان لینے کا کون سا حق ہے؟ اس وقت عمر نے اس فیصلہ کو منسوخ کیا اور اصحاب کے بھرے مجمع میں کہا لولا علی لھلك عمر۔

۱۰۔ 'مناقب' اخطب خوارزم (ص ۴۸) حضرت عمر نے حاملہ کے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ علیؑ نے متنبہ کیا اس وقت حکم منسوخ ہوا اور حضرت عمر نے کہا عجزت النساء ان تلدن مثل علی بن ابی طالب لولا علی لھلك عمر۔ عالم کی عورتوں کے کہاں نصیب کہ علیؑ ایسی اولاد ان کے یہاں پیدا ہو۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر مر ہی گیا ہوتا۔ (ص ۶۰) عن سعید بن المسیب قال سمعت عمر یقول اللھم لا تبقنی لمعضلت لیس لھا ابن ابی طالب۔ سعید بن مسیب ناقل ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو کہتے ہوئے سنا کہ خدایا مجھ کو اس مشکل کے لئے زندہ نہ رکھنا جس میں علی بن ابی طالبؑ موجود نہ ہوں۔

۱۱-ملفوظات سلطان المشائخ نظام الدین اولیا - او با اوصاف بذل وعطا ورزم ووغا وفقرو صفا میان صحابہ کرام ممتاز بود بقوت و شوکت از حضرت عزت بخطاب اسداللہ الغالب مخاطب گشت وبکثرت علم از جملہ صحابہ رضوان اللہ علیہم بقول حضرت رسالت پناہ انا مدینة العلم وعلی بابھا۔ ولھذا قال عمر الخطاب لولا علی لھلك عمر۔

۱۲۔ توضیح الدلائل۔ شہاب الدین احمد۔ حضرت علیؑ باجماع صحابہ مرجع کل تھے اور آپ کے فتاویٰ پر سب کو وثوق تھا اور جب کوئی مشکل پڑتی تھی صحابہ حضرت کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسی جہت سے حضرت عمر نے فرمایا۔ لولا علی لھلك۔ اور دوسرے موقع پر علامہ زین الدین ابوبکر محمد بن محمد بن علی خوافی کی زبانی نقل کیا ہے۔ فلذا اختص علی کرم اللہ وجه بمزید العلم ولحکمة حتی قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وعلیٰ اٰله وبارك وسلم انا مدینة العلم وعلی بابھا۔ وقال عمر لولا علی لھلك عمر۔

۱۳۔ 'شرح قصیدۂ تائیہ ابن فارض'۔ سعید الدین محمد بن فرغانی۔ ضمن شرح قول شاعر۔

واوضح بالتاویل ما کان مشکل
علی لعلم ناله بالوصیة

پیدا وروشن کرد علی بتاویل انچہ مشکل وپوشیدہ بود از معنی ومراد قرآن وحدیث بر غیر او از صحابہ خصوصاً عمر چنانچہ درآن معرض گفته است۔ لولا علی لھلك عمر۔

۱۴۔'مطول' سعدالدین تفتازانی (طبع تبریز، ۱۲۷۸ء، ص ۱۳۶) در ضمن بیان لو شرطیہ نحو- **لولا علی لهلك عمر معناه ان وجود علی سبب لعدم هلاك عمر** کے معنی یہ ہیں کہ علیؑ کا وجود عمر کے ہلاک نہ ہونے کا سبب ہے نہ یہ کہ علیؑ کا وجود عمر کے ہلاک نہ ہونے کی دلیل ہے۔

۱۵۔**فصول مهمه**۔ ابن صباغ کی (ص ۱۸) ایک شخص کو کھینچ کر حضرت عمر کے سامنے لائے۔قصور اس کا یہ تھا۔کہ کچھ لوگوں نے اس کی خیریت پوچھی ۔ اس نے کہا کہ میری حالت یہ ہے کہ میں فتنے کو دوست رکھتا ہوں۔حق سے کراہت کرتا ہوں یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہوں۔ ایسی شے پر ایمان لایا ہوں۔ جو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھی۔ایسی چیز کا اقرار کرتا ہوں جو اب تک خلق نہیں ہوئی اس کا مقدمہ حضرت عمر کے پاس لایا گیا۔آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بلانے کو آدمی بھیجا جب حضرتؑ آئے۔تو پورا واقعہ من وعن حضرتؑ سے بیان کیا۔آپ نے فرمایا سچ تو کہتا ہے فتنہ کو دوست رکھتا ہے۔ باری تعالیٰ عز اسمہ کا ارشاد **انما اموالكم واولادكم فتنه**۔ موت حق ہے۔حق سے کراہت کرتا ہے۔**وجآءت سكرة الموت بالحق**۔ یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔**وقالت اليهود ليست النصارىٰ على شئى وقالت النصارىٰ ليست اليهود على شئى**۔ ان دیکھی چیز پر ایمان لایا ہے۔ بیشک خدا پر ایمان لانا ضروری ہے۔اور اس کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے۔خلق نہ ہوئی شے کا اقرار کرتا ہے۔ یعنی قیامت کا کہ جو اب تک پیدا نہیں کی گئی ہے۔حضرت عمر نے بیساختہ کہا **اعوذ بالله من معضلة لا على لها**۔ اور سعید بن مسیب کا مقولہ ہے کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے **اللهم لا تبغني لمعضلة ليس فيها ابوالحسن**۔ اور ایک مرتبہ آپ نے کہا۔**لولا علی لهلك عمر**۔

۱۶۔'**كفاية المطالب**'۔ حافظ محمد بن یوسف کنجی شافعی (باب ۵۷ر) مذکورہ بالا واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے اور آخر میں یوں ہے کہ **ويهلك ابن الخطاب لولا علی بن ابی طالب** ابن خطاب کی جان ہی گئی تھی، اگر علیؑ بن ابی طالب نہ ہوتے۔

اور اصل اس قصہ کو علامہ شمس الدین ابن قیم جوزیہ حنبلی نے اپنی کتاب **الطرق الحكميه فى السياسة الشرعيه**۔ (مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ/ص ۴۶) میں بھی نقل کیا ہے۔حافظ کنجی نے حضرت علیؑ کی علمیت کو ثابت کرتے ہوئے چھ مہینہ کے حمل والی روایت کو نقل کرتے ہوئے بھی لکھا ہے۔ **فقال عمر لولا علی لهلك عمر**۔

۱۷۔مواقف عضدالدین الایجیؒ۔ افضلیت امیرالمومنین کے ادلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے **ولانه تنهى عمر عن رجم من ولدت لستة اشهر ونبهه ونهاه ايضا عن رجم الحاملة التى اقترت فقال عمر لولا على لهلك عمر**۔

ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے عمر کو منع کیا اس عورت کو سنگسار کرنے سے جس کے یہاں چھ مہینہ میں بچہ پیدا ہوا تھا اور اس حاملہ کے سنگسار کرنے سے جس نے ارتکاب زنا کا اقرار کیا تھا۔اس وقت عمر نے کہا۔**لولا على لهلك عمر**۔ جواب میں اس کے صرف یہ کہا گیا ہے کہ یہ روایات افضلیت کو نہیں ثابت کرتے اور ہم نے سلف کو دیکھا کہ وہ خلفائے ثلٰثہ کو حضرت علیؑ سے افضل سمجھتے تھے۔لہٰذا ہم کو اس کا اعتقاد ضروری ہے۔

۱۸۔شرح مواقف ۔ ابوالعلی بن محمد رضا بخاری (مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۱۴ھ، ص ۷۴۲ / و ۷۴۴ / مذکورہ عبارت کی تقریر وتائید کی گئی ہے)

۱۹۔ **ابطال الباطل**۔ فضل اللہ بن روز بہاں شیرازی نے علامہ حلی کی مذکورہ ذیل عبارت نقل کی ہے۔ **جميع الصحابة رجعوا اليه فى الاحكام والاستقاد امته ولم يرجع الى احد منهم فى شئى وقال عمر بن الخطاب فى عدة مواطن لو لا على لهلك عمر حيث ردة عن خطاه**۔

صحابہ (کو) احکام شرعیہ میں حضرت کی طرف رجوع کی کبھی ضرورت نہیں پڑی اور حضرت عمر نے چند مرتبہ کہا**لولا علی لھلك عمر** اس کے جواب میں ابن روز بہان نے کہا ہے کہ صحابہ کا حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرنا کچھ بعید نہیں کہ آپ ہی ان میں صاحبِ فتویٰ تھے۔ اور مفتی خلق کی طرف رجوع کرنا مستفتیوں کا وظیفہ ہے اور حضرت عمر کا آپ کی طرف رجوع کرنا ویسا ہی تھا جیسا کہ حکام وسلاطین علمائے ملت کی طرف ضروری مسائل میں رجوع کرتے ہیں۔ رہ گیا حضرت عمر کا قول **لولا علی لھلك عمر**۔ تو حضرت عمر کے فضائل میں سے ہے۔ کہ کس قدر صداقت وانصاف اور عدل وتواضع کا خیال رکھتے تھے۔

۲۰-شرح تجرید قوشجی۔ (طبع تبریز ۱۳۰۱ھ، ۴۰۷/)

(قول محقق طوسی) خلیفہ ثانی نے حاملہ اور مجنونانہ عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور حضرت علیؑ نے منع کیا اس وقت خلیفہ ثانی نے کہا**لولا علی لھلك عمر**۔ (جواب علامہ قوشجی) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عمر کو معلوم نہ تھا کہ وہ عورت حاملہ اور مجنونانہ ہے اور **لولا علی لھلك عمر** کہنا باعتبار اس کے ہے کہ انہوں نے پورے طور پر تفحص اور تحقیق نہیں کیا۔ یعنی اگر حضرت علیؑ اس حالت میں متنبہ نہ کرتے اور وہ عورتیں سنگسار کردی جاتیں تو حضرت عمر کو اپنی کوتاہی پر اتنا صدمہ ہوتا جو جانکنی اور ہلاکت کی تکلیف سے زیادہ سخت ہوتا۔

۲۱-'جواہر العقدین'۔ نورالدین سمہودی۔ ابن سمان نے ابوسعید خدری کی زبانی نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے کانوں سے حضرت عمر سے ایسے موقع پر جبکہ انہوں نے حضرت علیؑ سے کسی سوال کا جواب پایا تھا کہتے سنا ہے۔ **لاابقانی اللہ بعدك یا علی** اور زین عراقی نے شرح تقریب میں لکھا ہے۔ **کان (عمر) یتعوذ من معضلة لیس لھا ابو الحسن**۔ اور اس کو دار قطنی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے اور اس کی لفظیں یہ ہیں کہ **اعوذباللہ من معضلة لیس لھا ابو الحسن**۔

۲۲-صواعق محرقہ۔ ابن حجر مکی (مطبوعہ مصر، ص ۷۸/)

کان عمر بن الخطاب یتعوذ باللہ من معضلة لیس لھا ابو الحسن۔

۲۳-'اسعاف الراغبین'۔ محمد بن علی صبان مصری۔ (برحاشیہ مشارق الانوار شیخ حسن حمزاوی مطبوعہ مصر، ص ۱۵۲)

کان یتعوذ الخ۔

۲۴-تاریخ الخلفاء۔ حافظ جلال الدین سیوطی۔ (طبع مصر ۶۲) **کان یتعوذ الخ**

۲۵-نورالابصار۔ سید مومن شبلنجی (طبع مصر، ص ۷۳)

کان عمر یتعوذ الخ

۲۶-ینابیع المودة۔ شیخ سلیمان بلخی حنفی (مطبوعہ دارالخلافہ استامبول قسطنطنیہ، ص ۷۰)

كانت الصحابة رضی الله عنهم یرجعون الیه فی احکام الکتاب ویاخذون عنه الفتاوی لما قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی عدة مواطن لولا علی لهلك عمر۔

۲۷-**هداية المرتاب۔ حاج احمد آفندی** (طبع مصر، ص ۱۴۶) **قال عمر رضی الله عنه حین نهاه علی عن رجم من ولدت لستته اشهر ورجم الحاملة لولا علی لهلك عمر۔**

یہ مستند اقوال اور علمائے اسلام کے نصوص ہیں جو باوجود نایابی کتب اور وقت وفرصت کی کمی کے ہمارے پیش نظر ہیں۔ اس کے بعد کسی سمجھدار شخص کو اس فقرہ کی صحت میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

[ماخوذ از ماہنامہ الحافظ لاہور۔ مارچ ۱۹۳۱ء ص ۱۵/]

(۴) ہمارے مشکلات

آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ کانگریس لفظ نہیں تو معنی کے اعتبار سے، ظاہر نہیں تو باطن میں خالص ہندو یا ہندو پرور جماعت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کو آپ کے امتیازی خصوصیات سے کوئی

عداوت یا نفرت نہیں ہے۔ نہ آپ ہی کو اس سے کوئی پرخاش ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے واقعات بتاتے ہیں کہ سب طرح فرقہ وارانہ فسادات ہوئے مگر ہندوشیعہ فساد کبھی نہیں ہوا پھر بھی یہ دیکھئے کہ جب اس کا رقبہ مشترک نقطۂ اسلام کے خلاف ہوگا۔ تو کیا اس کی زد میں آپ نہ آئیں گے۔ اس کے علاوہ سیاسی مصلحت کی بنا پر اگر وہ مسلمانوں کی کسی جماعت کی دلجوئی کرنا چاہے تو وہ اکثریت کا دل ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے گی، یا اقلیت کا؟ رہ گیا انصاف اور کمزوروں کی ہمدردی کا سوال وہ موجودہ زمانہ میں جبکہ تنازع للبقا کے (درندہ گانہ) جذبہ نے فلسفہ کی شکل اختیار کر لی ہے، خواب وخیال ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ بعض مسلمان جو جمہور سے الگ ہوکر اس کے دست وبازو یا آلہ کار سے بنے ہوئے ہیں وہ انہی عناصر میں سے ہیں کہ جو آپ کے وجود کو صفحۂ عالم سے فنا کر دینا چاہتے ہیں انہی میں سے بعض افراد کی رضامندی کے لئے لکھنؤ میں وہ ہوا جس نے ہمیشہ کے لئے کانگریس کے دامن کو داغدار بنا دیا ہے۔

آپ اپنے مذہب کے احترام کی بنا پر اتنی رواداری بھی ان کے ساتھ نہیں برت سکتے جیسی سوامی شردھانند آنجہانی کو مسجد جامع دہلی کے منبر پر بھیج کر یا اپنے ماتھے پر سندور کا ٹیکہ لگا کر آپ کے علاوہ بعض دوسری جماعتوں کی طرف سے ظاہر ہوئی یا ہوسکتی ہے۔

دوسری طرف مسلم لیگ ہے یہ تمام مسلمانوں کا مشترک ادارہ کہا جاتا ہے اور اس میں ہماری قوم کے بہت سے ممتاز افراد نمایاں درجہ بھی رکھتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بحیثیت مجموعی اس ادارہ کا طرزعمل ہمارے فرقہ کے ساتھ مغائرت کا رہا ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے ہمارے قومی وجود کا احساس ہی نہیں ہے۔ انفرادی طور پر اس کے بہت سے ارکان شیعوں کے خلاف تحریکات میں حصہ لیتے رہے ہیں اور گذشتہ ابتلا ومصائب کے دور میں وہ اس فرض کو انجام نہیں دے سکی جو مسلمانوں کی ایک مشترک مرکزی جماعت کو انجام دینا چاہئے تھا۔

ہماری جو ممتاز شخصیتیں وہاں موجود ہیں ان کا اس فضا میں پہنچ کر اپنے قومی مفاد کے تحفظ سے بے بس ہوجانا، یہ سمجھنے کیلئے کافی ہے کہ ہماری شرکت وہاں ہمارے قومی مفاد کے لئے ہرگز مفید نہیں ہوسکتی۔

یہ کہنا کہ شیعہ بحیثیت مجموعی وہاں داخل ہوکر اپنے مفاد کا تحفظ کرائیں خود اپنے کو دھوکہ دینا ہے جبکہ مسلمانوں کو سات کروڑ کی تعداد میں ہوتے ہوئے یہ مشورہ نہیں دیا جاتا کہ وہ کانگریس میں جا کر اپنے حقوق تسلیم کرائیں تو شیعہ جن کی تعداد مخالف حلقوں میں بہت کم بتائی جاتی ہے۔ اپنی اس بڑی اکثریت سے کیونکر زبردستی اپنے مفاد کا تحفظ کرا سکتے ہیں۔

یہ خیال کہ ہندو مسلم میں اختلاف تہذیب ومعاشرت (کلچر) کا ہے اس لئے ان میں اتحاد ممکن ہی نہیں مگر شیعہ سنی تہذیب ومعاشرت بالکل متحد ہیں اس بنا پر صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ ان دونوں جماعتوں میں مذہبی اختلافات ہی نے نقطۂ نظر اور ذہنیت کو اس درجہ بدل دیا ہے کہ دونوں فرقوں کی تہذیب و معاشرت بھی یکساں نہیں رہی ہے اس لئے کہ تہذیب ومعاشرت کی تشکیل بھی مذہبی خیالات کے ماتحت ہوتی ہے۔

اس کی تشریح اگر کی جائے تو بہت کچھ کہنے کی ضرورت پڑے گی مگر سردست بس اتنا ملاحظہ فرمایئے کہ تیرہ صدی کے تاریخی واقعات جس خلیج کو وسیع کرتے رہے ہوں وہ ایک دن میں کیسے پاٹی جاسکتی ہے۔

دنیا میں اب ایک تیسری طاقت رہ جاتی ہے وہ سرکار برطانیہ کی ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ سرکار کو آپ کے ساتھ کوئی قرابت یا رشتہ داری نہیں ہے۔

موجودہ دنیا کا آسمان وزمین ''سیاست'' ہے اور سیاسی مصالح اکثریت کی خاطر داری ودلجوئی کے متقاضی۔

اصل یہ ہے کہ اگر آپ کی 4ہستی کوئی ''ہستی'' ہو تو نظر اٹھا کر دیکھا بھی جائے۔ اس صورت میں سرکار پر موقوف نہیں بلکہ بڑے

(بقیہ صفحہ ۳۰/ پر۔۔۔۔۔)

سے متعلق آپ کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ حالات حاضرہ پر آپ کی دقیق نظر ہے صحافت کے ساتھ اچھے شاعر اور اینکر بھی ہیں۔ آپ کے فرزند بھی الیکٹرانک جرنالزم میں قدم رکھ چکے ہیں۔

سید العلماءؒ کے نواسے سید عزیز حیدر گذشتہ سترہ سالوں سے انگریزی صحافت سے جڑے رہے ہیں۔ کئی برسوں تک آپ کے مضامین ہندو، ہندستان ٹائمس، ہندو بزنس لائن، ٹربیون، بزنس ورلڈ، ہائی ٹائم، دینک جاگرن وغیرہ اخباروں اور اندرماں، انڈیا ٹوڈے پلس، لائف واچ، حدیث دل جیسے اخبارات وجرائد میں جگہ پاتے رہے ہیں۔ حال میں آپ ریل نیوز انٹرنیشنل (آر، این، آئی) نیوز ایجنسی میں ایسوسیئیٹ ایڈیٹر ہیں جس کے ذریعہ آپ کے مضامین ملک بھر میں انگریزی، ہندی اور اردو کے ۸۰ / سے زیادہ اخباروں میں چھپتے رہتے ہیں۔ آپ اب تک نو کتابیں لکھ چکے ہیں۔ سید العلماءؒ کے قائم کردہ ادارے 'یادگارِ حسینی' کے آپ سکریٹری ہیں جس کے تحت آپ نے ردّ وہابیت، قاتلان حسینؑ کا مذہب اور شہید انسانیت جیسی کتابوں کو شائع کیا۔ آپ اعلیٰ صحافتی معیار برقرار رکھنے والے ایماندار صحافی کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

سید محمد مہدی (عرفی) خاندان اجتہاد سے جڑے صحافیوں کی فہرست کو مزید پرنور بناتے ہیں۔ آپ اردو صحافت میں اپنے اعلیٰ رپورٹنگ معیار کے لئے جانے جاتے ہیں، آپ لکھنؤ کے کئی بڑے اخباروں سے وابستہ رہے ہیں یہی سبب ہے کہ لکھنؤ کے صحافی حلقوں میں مقبول ہیں۔ فی الوقت آپ اردو روزنامہ 'قومی خبروں' سے وابستہ ہیں۔

حضرت غفران مآبؒ کی اولاد میں مولانا سید حسن نقوی مرحوم کے فرزند حسین اختر نقوی کا نام بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جو الیکٹرانک جرنلزم سے گذشتہ قریب پندرہ برسوں سے جڑے ہیں۔ اس دوران آپ ٹائمس ناؤ، سہارا، نیوز ایکس، آج تک اور کئی دوسرے ٹی وی نیوز چینلوں سے جڑے رہے۔ جناب ساغر خیامی مرحوم کے تینوں فرزند ممبئی میں رہتے ہوئے میڈیا کے مختلف شعبوں سے جڑے ہیں اور کامیابی سے ہمکنار ہیں۔

خاندان غفران مآبؒ کے افراد صحافت کے علاوہ علمی، ادبی اور معاشرتی حلقوں میں اپنے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سب کا ذکر کر پانا یہاں ممکن نہیں۔



رباعی

دنیا میں ولی ابن ولی آئے ہیں
یا مالکِ آیاتِ جلی آئے ہیں
عباسؑ تو کہتے رہے عباسؑ ہوں میں
دنیا یہی سمجھی کہ علیؑ آئے ہیں

حسینی شاعر جناب ظفر عباس نقوی فضل اجتہادی

(صفحہ ۱۶/ کا بقیہ [نگارشات])

بھائی بھی دست شفقت پھیریں گے۔ اس کو منجھلے بھائی کی بھی نگاہ رحمت سے دیکھیں گے۔

آخر میں نگاہ یہیں پر جا کر ٹھہرتی ہے کہ پہلے اپنی قومی زندگی کی تشکیل کیجئے یعنی اپنی ہستی کو قائم کیجئے مگر یہ کس طرح ہو، جبکہ ہمارے یہاں ہر جمع کی کوشش تفریق کا نتیجہ بخشتی ہے، اداروں کی کثرت نے ہمارے خواب قومیت کو پریشان کر رکھا ہے۔

قوم کے لئے متحد جمعیت، متحد آواز، متحد مقصد کی ضرورت ہے۔ شاید اسی لئے آل پارٹیز کانفرنس منعقد کی جارہی ہے۔ خدا کرے یہ واقعی ''آل پارٹیز'' ثابت ہو۔ اس کانفرنس کے متعلق میں اپنے خیالات کا تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ کسی آئندہ اشاعت میں اظہار کروں گا۔ والسلام

[ماخوذ از سرفراز لکھنؤ، سرفراز ڈے نمبر، یکم جنوری ۱۹۴۰ء ص ۲/]

